34

ربوہ میں خرید اراضی کے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

(فرمودہ 29 اکتوبر 1948ء بمقام لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"جیسا کہ مَیں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں بتایا تھا کہ میری طبیعت کئی دنوں سے خراب چلی آرہی ہے اور جو حالت پچھلے دو تین دن میں رہی ہے اس وجہ سے تو دن کا اکثر حصہ مجھے چارپائی پر ہی لیٹ کر گزارنا پڑتا رہا۔ سر چکراتا رہتا ہے اور بعض دفعہ نبض بہت کمزور ہو جاتی ہے۔ ابھی تک بیماری کی پوری طرح حقیقت نہیں کُھلی ۔ زیادہ تر خیال اِس طرف جاتا ہے کہ یہ بواسیر کی تکلیف ہے اور ساتھ ہی جگر اور معدے میں بھی تکلیف معلوم ہوتی ہے مگر ایک تو جمعہ سات دن میں ایک دفعہ آتا ہے اور دوسرے مَیں نے یہ سمجھا کہ چونکہ روزانہ نمازوں میں دوستوں سے ملنے کا موقع نہیں ملتا رہا اس لیے جمعہ کی نماز مجھے مسجد میں ضرور ادا کرنی چاہیے۔ اس لیے مَیں اپنے نفس پر بوجھ ڈال کر جمعہ کے لیے آ گیا ہوں۔

سب سے پہلے تو مَیں اس محلّہ کے رہنے والوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہاں کے نئے مبلغ نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ اس محلّہ میں چھیانوے خاندان ہیں۔ ان میں سے نماز باجماعت کے لیے مسجد میں صرف ایک یا دو آدمی آتے ہیں۔ یہ حالت نہایت افسوسناک ہے۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ

اس محلّہ کے رہنے والے احمدیوں میں سے بعض ایسے ہیں جو بہت ہی پرانے احمدی ہیں۔ مجھے میاں چراغ دین صاحب مرحوم کی بات یاد ہے۔ وہ سنایا کرتے تھے کہ ان کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اتنے پرانے تعلقات تھے کہ وہ میری پیدائش کے موقع پر جو آپ کے دعوٰی مسیحیت سے دو سال قبل ہوئی میرے عقیقے پر قادیان گئے تھے۔ آپ سنایا کرتے تھے کہ اُس دن اتنی سخت بارش ہو رہی تھی کہ اس کی وجہ سے ہم راستہ میں رک گئے۔ پانی بہت زیادہ چڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے راستہ بند ہو گیا تھا۔ ہم میں سے بعض کوشش کر کے قادیان پہنچ گئے اور بعض کو واپس لَوٹنا پڑا۔ گویا اس خاندان کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تعلق ساٹھ سال سے بھی زیادہ عرصہ کا ہے۔ ایسے خاندان کو تو روز بروز اپنے روحانی تعلقات میں بڑھنا چاہیے تھا نہ یہ کہ بجائے ترقی کرنے کے وہ آگے سے بھی گر جاتے۔ نماز تو ایسی چیز ہے کہ اس کے بغیر انسان کے اندر دین پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جو شخص سوائے معذوریوں کے نماز با جماعت ادا کرنے کی کوشش نہیں کرتا یا جو بالکل نماز نہیں پڑھتا وہ کسی صورت میں بھی مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ یہ چیز دراصل انسان کی ہمت پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص ہمت کر لیتا ہے اور فیصلہ کر لیتا ہے کہ اس نے فلاں کام کرنا ہے تو وہ کر لیتا ہے۔ پس پہلے تو مَیں اس محلّہ کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ نماز با جماعت ادا کیا کریں اور مسجد کو آباد کرنے کی کوشش کریں۔ اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کام اپنے ذمہ لے لے کہ وہ لوگوں کو ترغیب دلا کر مسجد میں لایا کرے گا۔ اور خواہ اسے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ہی لانا پڑے وہ انہیں لا لا کر نماز با جماعت ادا کروائے یہاں تک کہ انہیں نماز کی چاٹ پڑ جائے۔ چاٹ پڑنے کے بعد اگر کوئی ان سے یہ کام چھُڑوانا بھی چاہے گا تو وہ نہیں چھوڑیں گے۔

اس کے بعد مَیں دوسرے محلے کے لوگوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض محلوں میں نماز با جماعت کا کوئی انتظام نہیں۔ محلے کی جماعت نے کوئی ایسا کمرہ مقرر نہیں کیا جس میں روزانہ نماز با جماعت ادا کی جائے۔ اور جن محلوں میں مسجدیں ہیں ان میں بھی دس فیصدی کے قریب لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں باقی نہیں آتے۔ مَیں بھی حیران تھا کہ جماعت لاہور کی بعض معاملات میں کمزوری کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ خدائی تعلق کی طرف سے غفلت برتی جاتی ہے اور جب خدائی تعلق ہی نہ رہے تو محبت آپ ہی آپ ختم ہو جاتی ہے۔ اصل منبع تو خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔

ساری طاقت اور قوت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی آتی ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی محبت کمزور ہو جاتی ہے تو باقی کاموں میں بھی کمزوری پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ سو مَیں دوستوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اگر وہ احمدیت سے واقع میں فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں بلکہ کہتا ہوں اگر وہ واقع میں موت کے بعد نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں نمازوں کی سختی سے پابندی کرنی چاہیے۔ یہ حُسنِ ظنی رکھ لینا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئے ہیں یا کچھ چندے دے دیتے ہیں اور وہ بھی کانے چندے ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ہم جنت کو حاصل کر لیں گے یہ بے وقوفی اور حماقت ہے۔ جنت میں چلے جانا معمولی بات نہیں۔ جنت میں جانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان موت قبول کر لے۔ اور یہ تو ایک چھوٹی سے چھوٹی موت ہے جو اِس موت کو قبول کر لیتا ہے اور پانچ وقت سوائے معذوری کے نماز باجماعت ادا کرتا ہے اور اپنی اولاد اور خاندان کے دوسرے ممبروں کو بھی نماز کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہے تو وہ پہلی قربانی پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد اُسے مزید قربانی کی توفیق مل جاتی ہے۔

اس کے بعد مَیں اس مضمون کی طرف دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں جو مَیں نے گزشتہ جمعہ میں بیان کیا تھا یعنی ربوہ کے متعلق میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میرا تو خیال تھا کہ میرا خطبہ اتنا واضح ہے کہ اس سے لوگوں کے شکوک دور ہو گئے ہوں گے اور ان کی اصلاح ہو گئی ہو گی مگر معلوم ہوا ہے کہ اس سے لوگوں کے اندر اَور بھی وہم پیدا ہو گیا ہے۔ یہ تو وہی بات ہے يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ 1 وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ مثلاً اس خطبہ میں مَیں نے یہ بیان کیا تھا کہ قادیان کے لوگوں نے اس طرف اتنی توجہ نہیں کی جتنی توجہ انہیں کرنی چاہیے تھی۔ میرا اِس سے یہ منشا تھا کہ مَیں قادیان والوں کی رگِ حمیّت کو بھڑکاؤں لیکن صدر انجمن احمدیہ کے وہ کارکن جن کے پاس ریکارڈ ہمیشہ رہتا ہے صرف عارضی طور پر دیکھنے کے لیے مَیں اُن سے منگواتا ہوں پھر وہ واپس انہی کے پاس چلا جاتا ہے۔ ان میں بھی بعض شبہات پیدا ہو گئے ہیں اور انہوں نے بعض اعتراضات کیے ہیں۔ نظارت کے ارکان جن کے سامنے سارا ریکارڈ رہتا ہے اگر ان میں سے بعض اپنے کاغذات بھی نہیں پڑھ سکتے تو پھر اِس سے زیادہ افسوس کی بات اَور کیا ہو گی؟ صدر انجمن احمدیہ کے ایک افسر نے مجھے لکھا ہے کہ قادیان والوں کی بہت زیادہ حق تلفی ہوئی ہے اور اُن کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ قادیان والوں کی کوئی حق تلفی نہیں ہوئی۔ مَیں نے

تو انہیں اس طرف توجہ دلائی تھی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اَور چُست ہو جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اب تک جو زمین تقسیم ہوئی ہے اس میں سے اسّی فیصدی زمین قادیان والوں کے پاس گئی ہے۔ مثلاً صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر ہیں یہ قادیان میں ہی تھے یا لاہور میں تھے؟ پھر تحریک جدید کے دفاتر ہیں۔ تحریک جدید کے دفاتر قادیان میں ہی تھے یا لاہور میں تھے۔ پھر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے کارکنوں کے مکانات ہیں۔ یہ لوگ بھی قادیان میں ہی تھے۔ ان تمام پر جو زمین لگے گی وہ قادیان کے لوگوں کے پاس ہی جائے گی اور وہاں سے آئے ہوئے آدمیوں کو ہی ملے گی۔ پھر دوسو کنال زمین اس لیے الگ کر دی گئی ہے تا وہ زمین قادیان کے غرباء کو جن کے وہاں مکانات تھے یا زمین تھی دی جائے اور اُن کو وہاں بسایا جائے۔ اگر دس دس مرلہ کے ہی مکانات سمجھ لیے جائیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ دوسو کنال زمین میں چار سو مکان بن جائیں گے اور چار سو مکانات کا یہ مطلب ہے کہ یہ قادیان کے مکانات کے بیس فیصدی ہیں یعنی دو ہزار میں سے چار سو کو زمین مفت ملے گی۔ یہ زمین بھی قادیان والوں کو ہی ملے گی۔ پھر جو زمین اب تک فروخت ہوئی ہے اس میں سے نصف سے زیادہ قادیان والوں نے لی ہے۔ جو شخص واقف نہیں یا جس نے کاغذات نہیں دیکھے وہ تو غلط فہمی میں پڑ سکتا ہے لیکن دوسرا نہیں پڑ سکتا۔ ہر ایک چیز کا یہ منشا نہیں ہوا کرتا کہ اس سے انتہائی درجہ کا نتیجہ نکال لیا جائے۔ میرا منشا تو یہ تھا کہ قادیان والوں کی رگِ حمیت کو جوش میں لایا جائے۔ جھٹ پٹ اس سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ قادیان والوں کو زمین ملی ہی نہیں اور اُن کی حق تلفی ہوئی ہے درست نہیں۔ پھر ایسے شخص کا کہنا جس کے پاس ریکارڈ رہتے ہیں اور مَیں اگر منگواتا ہوں تو عارضی طور پر منگواتا ہوں اور پھر واپس کر دیتا ہوں۔ اَور بھی زیادہ افسوس کی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کاغذات دیکھے ہی نہیں ورنہ فروخت شدہ زمین میں سے بھی زیادہ تر قادیان والوں کے پاس ہی گئی ہے۔ چونکہ میرے خاندان کے افراد زیادہ ہیں سو کنال تو ہمارے گھر نے ہی خریدی ہے۔ ہم بھی تو قادیان والوں میں سے ہی ہیں۔ باقی زمین بھی پچاس فیصدی کے قریب قادیان والوں کے پاس ہی گئی ہے۔ اس کے معنے یہ بنیں گے کہ دو ہزار کنال میں سے صرف تین سو کنال کے قریب باہر والوں کے پاس گئی ہے 1700 کنال کے قریب قادیان والوں کے پاس گئی ہے۔ پس یونہی شور مچا دینا کہ قادیان والوں کی حق تلفی ہوگئی ہے ہمیں زمین نہیں ملی بیوقوفی کی بات ہے۔ باقی لوگ کچھ ایسے ہیں جو چاہتے ہیں کہ

وہاں مکان بنالیں۔انہوں نے زمین خرید لی ہے۔اصل چیزیں ہماری انسٹی ٹیوشنز ہیں اور یہی چیز ہے جس کی وجہ سے ہم نے گورنمنٹ سے مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں الگ جگہ دی جائے کیونکہ ہمارے کالج وغیرہ جماعت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور جب تک وہ اکٹھی نہ ہو یہ نہیں چل سکتے۔ان سے فائدہ اٹھانے والے بھی قادیان والے ہی ہیں۔کالج ہے اس میں باہر کے طالب علم بھی داخل ہوتے ہیں مگر اکثریت قادیان والوں کی ہی ہوتی ہے۔سکولوں سے تو خصوصیت کے ساتھ قادیان والے ہی زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔پھر عورتوں کا ہوسٹل ہے وہ بھی پہلے نہیں بن سکا تھا اب وہ بھی بنانا ہے۔قادیان میں سکول آبادی میں گھر گیا تھا اب جو جگہ ملی ہے اس میں لڑکیوں کا ہوسٹل بھی بنایا جائے گا تا باہر کی لڑکیاں وہاں رہ سکیں اور تعلیم حاصل کر سکیں۔پس یہ غلط ہے کہ قادیان والوں کی حق تلفی ہوئی ہے اور انہیں اس سے حصہ نہیں ملا۔جیسا کہ مَیں نے پہلے بتایا ہے دو ہزار کنال میں سے 1700 کنال قادیان کے دفاتر یا اُن افراد کو ملی ہے جو قادیان میں رہتے تھے۔باقی تین سو کنال کے قریب باہر والوں نے خریدی ہے۔ پھر اگر مشرقی پنجاب والے مہاجرین کا خیال رکھا جائے تو یہ نسبت اَور بھی کم ہو جاتی ہے کیونکہ ان لوگوں کے پاس کوئی جگہ نہیں جہاں وہ رہ سکیں۔ان لوگوں نے بھی ایسی ہی جگہوں پر مکان بنانے ہیں تا سب بھائی اکٹھے رہ سکیں۔غرض اگر صحیح پڑتال کی جائے تو خیال ہے کہ وہ زمین جو مغربی پنجاب والوں نے خریدی ہے وہ بیس فیصدی سے بھی کم ہو جاتی ہے۔

باقی جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے شہر آپ ہی آپ نہیں بن جایا کرتا اُس میں سڑکیں بھی بنانی پڑیں گی۔اور جب سڑکیں بنیں گی تو اس کے لیے زمین بھی چاہیے۔پھر اسکول بنیں گے۔سکولوں کے بغیر بھی شہر نہیں بس سکتا۔کوئی شخص ایسی جگہ پر نہیں بسنا چاہتا جہاں اُس کے لڑکے تعلیم حاصل نہ کر سکیں اور سکول بغیر روپیہ کے نہیں بن سکتے۔اگر سکول بنائے جائیں گے تو خرچ بڑھ جائے گا اور وہ اسی زمین سے ہی نکالا جائے گا۔پھر آجکل کے زمانہ میں جب طب نے خوب ترقی کر لی ہے لوگ بغیر ہسپتالوں کے گزارہ نہیں کر سکتے اور ہسپتال بغیر روپیہ کے نہیں بن سکتے۔اگر ہسپتال بنیں گے تو خرچ بڑھ جائے گا اور وہ خرچ اِسی زمین سے نکالا جائے گا۔پھر ریل، بجلی اور ڈاکخانہ کے بغیر بھی گزارہ نہیں ہوسکتا۔ان کے انتظامات کے لیے بھی روپیہ کی ضرورت ہے۔پھر گندے نالے نکالنے ہیں۔ان سب انتظامات کے لیے دوڑ دھوپ پر بھی خرچ ہو رہا ہے۔جب یہ انتظامات کیے جائیں گے تو لازماً زمین کی قیمت بڑھ

جائے گی۔ پھر قادیان کی آبادی ایسی تھی کہ وہاں پانی کا کوئی خاص انتظام نہیں کرنا پڑتا تھا، وہاں بجلی بھی تھی اس جگہ پانی کا انتظام بھی کرنا ہے۔ جتنے کنویں اب تک نکلے ہیں اُن سے نمکین پانی ہی نکلا ہے۔ کافی کوشش کے بعد ایک کنویں سے میٹھا پانی نکلا تھا مگر جیسا کہ الفضل کی ایک رپورٹ سے پتہ چلا ہے کہ وہاں چند افسر آئے اور اگرچہ پانی نمکین تھا مگر انہوں نے پیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رپورٹ جو مجھے دی گئی تھی کہ میٹھا پانی نکل آیا ہے غلط تھی۔ ایک ماہ سے لوگ اِس کام پر لگے ہوئے ہیں۔ وہ پانی کے لیے کھدائی کر رہے ہیں، جدوجہد جاری ہے۔ کبھی ایک جگہ پر زمین کھودی جاتی ہے پانی نمکین نکلتا ہے تو پھر دوسری زمین کھودی جاتی ہے پانی نمکین نکلتا ہے پھر اُس سے سَو سَو، دو دو سَو، تین تین سو اور چار چار سو فٹ پر جگہ کھودتے ہیں۔ یہ کام ہر ایک فرد تو نہیں کر سکتا۔ آخر اس پر بھی جماعت کو خرچ کرنا ہوگا اور وہ اپنی جیبوں سے تو نہیں کرے گی۔ یہ خرچ بھی سُکّان کو ہی ادا کرنا ہوگا۔ اگر جماعت خرچ کرے گی، کھدائیاں کرائے گی ایک جگہ پر نمکین پانی نکلے گا تو اَور نیچے کھدائی کرائے گی۔ پھر پانی خراب نکلے گا تو اَور نیچے کھدائی کرائے گی۔ پھر بھی اگر پانی خراب نکلے گا تو وہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ کھدائی کرائے گی، تیسری جگہ کھدائی کرائے گی، چوتھی جگہ کھدائی کرائے گی یہ خرچ بھی سُکّان کو ہی ادا کرنا ہوگا۔ چار جگہ پر تو اَب تک کھدائی ہو چکی ہے ممکن ہے کہ بیس پچیس یا پچاس جگہ پر کھدائی ہو۔ پھر ان کنوؤں سے پانی نکالنا بھی کوئی معمولی کام نہیں۔ اس پر بھی روپیہ خرچ آئے گا اور کافی روپیہ خرچ آئے گا اور روپیہ ساکنین کو ہی دینا ہوگا۔ اور یہ دو طرح ہی ہو سکتا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ سب زمین خریدنے والوں سے کہا جائے کہ وہ ہزار ہزار، دو دو ہزار روپیہ بطور ٹیکس دے دیں اور یا پھر یہ زمین کی قیمت سے وصول کیا جائے۔ یہ ساری چیزیں روپیہ خرچ کرنے سے ہی بنیں گی۔ نہیں تو نہیں بنیں گی۔ اس لیے زمین کی قیمت بڑھتی جا رہی ہے اور یہ ساکنین کے نفع اور فائدہ کے لیے ہی ہے۔ اگر ساری زمین بھی فروخت ہو جائے پھر بھی چھ سات لاکھ روپیہ کے قریب انجمن کو اَور خرچ کرنا ہوگا۔ قادیان پچاس سال میں بنا تھا۔ پھر اس کا قائمقام چند دنوں میں بغیر مالی بوجھ کے کیسے بن سکتا ہے؟ آہستہ آہستہ خرچ اگرچہ زیادہ ہو جاتا ہے مگر وہ محسوس نہیں ہوتا۔ مثلاً شادی پر جتنا روپیہ لگ جاتا ہے اس سے کہیں زیادہ بچوں کی پرورش پر لگ جاتا ہے۔ مگر اس کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ اُس وقت جب آٹا گوندھا جاتا ہے تو مُٹھی بھر ایک بچہ کی طرف سے ڈال لیا جاتا ہے اور مٹھی بھر ایک بچہ کی طرف سے ڈال لیا جاتا ہے۔

پھر پاؤ بھر لکڑی ایک کی طرف سے جل رہی ہوتی ہے تو پاؤ بھر ایک کی طرف سے جل رہی ہوتی ہے۔ پھر پتیلی ہے اُس میں بھی ہر ایک کا حصہ ہوتا ہے۔ اگر دو سیر کی پتیلی ہے تو ضروری ہے کہ دو سیر کھانے والے بھی موجود ہوں۔ پتیلی تو ایک ہی لائی جاتی ہے مگر اُس میں ہر ایک کا حصہ ہوتا ہے مگر اس خرچ کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ شادی بیاہ میں اس سے بہت کم خرچ ہوتا ہے مگر دیوالیے نکل جاتے ہیں۔ اِس کی یہی وجہ ہے کہ اس پر اکٹھا خرچ کیا جاتا ہے۔ پہلا خرچ پھیل گیا تھا۔ مثلاً ایک لڑکی ہے وہ اٹھارہ سال کی تھی جب اُس کی شادی ہوئی وہ اٹھارہ سال تک اپنے ماں باپ کے گھر میں پلتی رہی۔ اگر چھ روپے ماہوار بھی خرچ کا اندازہ لگایا جائے تو ایک سال کا خرچ بہتّر روپے ہو جاتا ہے۔ گویا اٹھارہ سال میں اس لڑکی پر ساڑھے بارہ سو خرچ ہوا۔ اب ایک غریب گھرانہ جو معمولی خرچ پر چل رہا ہے اس کی شادی پر ساڑھے بارہ سو خرچ نہیں آتا۔ ان کی شادی پر دو اڑھائی سو خرچ آئے گا مگر باوجود اس کے وہ خاندان مشکلات میں پھنس جاتا ہے اور مقروض ہو جاتا ہے جس کی ادائیگی اُس کے لیے مشکل ہو جاتی ہے اس لڑکی کے پالنے پر جو خرچ آیا وہ اس کی شادی کے خرچ سے کہیں زیادہ ہوتا ہے مگر اس کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ لیکن اب یہ خرچ اس لیے زیادہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اکٹھا کیا جاتا ہے۔

قادیان پچاس سال میں بنا تھا کسی نے آج مکان بنا لیا تو کسی نے کل بنا لیا۔ اس کا پتہ بھی نہیں لگتا تھا۔ اب وہ مکانات اکٹھے بنیں گے۔ قادیان میں جو دفاتر ہم نے آہستہ آہستہ چندے جمع کر کے تیار کیے تھے وہ اب اکٹھے بنیں گے اور ان پر اکٹھا خرچ آئے گا۔ کچی عمارتوں کے بنوانے پر جو خرچ آئے گا اُس کا جو ہم نے اندازہ کیا ہے وہ کم از کم ساڑھے تیرہ لاکھ کا ہے اور اگر ساری ضرورتوں کو پورا کیا جائے تو پھر پچیس لاکھ روپے خرچ کا اندازہ ہے۔ ان سب چیزوں سے تو سب نے یکساں فائدہ اٹھانا ہے۔ اگر زمین اعلیٰ سے اعلیٰ قیمت پر بھی بِک جائے تو ساڑھے تیرہ لاکھ کی آمد ہوتی ہے اور چونکہ ان سے زیادہ فائدہ گاؤں والے اٹھائیں گے بہرحال وہاں کے رہنے والوں کو ہی اکثر رقم ادا کرنی ہوگی۔ باہر والوں کو بھی اس میں کچھ حصہ دینا پڑے گا کیونکہ دفاتر جو وہاں بنیں گے وہ ان کی بھی خدمت کریں گے، کالج جو وہاں بنیں گے ان میں ان کے لڑکے بھی تعلیم حاصل کریں گے۔ پس زیادہ خرچ وہاں کے رہنے والوں کو ہی ادا کرنا ہوگا۔ پھر ہسپتال بنیں گے۔ ان ہسپتالوں سے بھی فائدہ وہاں کے رہنے والے ہی اٹھائیں گے۔ بیمار سندھ سے تو نہیں آئیں گے، صوبہ سرحد سے نہیں آئیں گے۔

پھر لڑکیوں کا سکول ہے اس میں دس فیصدی باہر کی لڑکیاں ہوں گی باقی وہاں کی ہی ہوں گی۔ اسی طرح لڑکوں کے سکول سے بھی وہاں کے ہی لوگ زیادہ فائدہ حاصل کریں گے۔ وہاں پانی کا بھی انتظام کرنا ہوگا، سڑکیں بھی بنانی ہوں گی۔ ہمارا اندازہ ہے کہ چالیس فیصدی زمین سڑکوں پر ہی لگ جائے گی۔ اس طرح جو بھی بوجھ پڑے گا وہ سُکّان کو ہی اٹھانا ہوگا۔ یہ کوئی تجارتی کام نہیں باوجود اس کے لاکھوں لاکھ روپیہ انجمن کو چندوں سے دینا ہوگا۔ پس یہ وسوسہ کہ یہ جماعت پر بوجھ بن گیا ہے یا قادیان والوں کی حق تلفی ہوئی ہے، اُن کو حصہ نہیں دیا گیا بالکل غلط ہے۔ اگر ان کے پاس اسّی فیصدی زمین چلی گئی ہے تو اُن کی کونسی حق تلفی ہوئی ہے؟ آئندہ بھی اُن کا خیال رکھا جائے گا اور اس سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ موقع اُنہی کو ملے گا۔ اور یہ لازمی بات ہے کہ اخراجات میں اکثر حصہ وہیں کے لوگوں کو ادا کرنا ہوگا۔ اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو الگ ٹیکسیشن (TAXATION) کی صورت میں یہ اخراجات پورے کیے جائیں۔ یا زمین کی قیمت سے یہ اخراجات پورے کیے جائیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ڈائریکٹ ٹیکسیشن کی نسبت اِن ڈائریکٹ ٹیکسیشن زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ مثلاً چونگی ہوتی ہے۔ آلو جو تم کھاتے ہو اس پر تھوڑی بہت چونگی تم ادا کرتے ہو۔ گوبھی جو تم کھاتے ہو اس پر تھوڑی بہت چونگی تم ادا کرتے ہو مگر تمہیں پتہ بھی نہیں لگتا۔ لیکن اگر وہی چونگی ایک دو روپیہ کر کے تم پر ماہوار لگا دی جائے تو تم شور مچا دو۔ لیکن چونگی کی صورت میں تم وہ ٹیکس ادا بھی کرتے رہتے ہو اور پھر اس کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ ساٹھ روپے ماہوار لینے والے پر اگر دو روپے ماہوار یا پچیس روپے سالانہ ٹیکس لگا دیا جائے یا ایک چپڑاسی پر ایک یا دو روپیہ ماہوار ٹیکس لگایا جائے تو وہ اسے برداشت نہ کر سکے گا۔ بعض دفعہ بڑے بڑے تاجروں پر بھی پچیس پچاس روپے سالانہ ٹیکس لگایا جائے تو وہ شور مچا دیتے ہیں مگر چونگی سے ایک بھاری رقم ٹیکس کی مل جاتی ہے اور لوگ محسوس بھی نہیں کرتے۔ بہرحال بِلا واسطہ ٹیکس بِالواسطہ ٹیکس سے سہل ہوتا ہے۔ اگر ہر ایک زمین لینے والے سے کہا جائے کہ ایک ہزار یا دو ہزار روپیہ بطور ٹیکس جمع کرا دو تو اکثر لوگ فوراً پیچھے ہٹ جائیں گے۔ لیکن اگر انہیں یہ کہا جائے کہ ایک کنال کے لیے پانچ سو روپے جمع کرا دو تو فوراً جمع کرا دیں گے۔ وہ سمجھیں گے کہ آخر زمین تو لینی ہی تھی اور کسی قسم کا خیال کیے بغیر وہ رقم داخل کرا دیں گے۔ یہ طریقہ سہل ترین ہے اور اس طرح بغیر احساس کے ہر ایک اپنی ذمہ داری کو ادا کر جاتا ہے اور اس کے دل پر بوجھ بھی نہیں پڑتا۔

غرض یہ طریقہ سہل تھا جو اختیار کیا گیا اور یہ آپ لوگوں کے فائدے کے لیے ہی تھا۔ اس میں سے کوئی ایک پیسہ بھی فائدہ نہیں اٹھا رہا اور صدر انجمن احمدیہ بھی ایک پیسہ کا فائدہ نہیں اٹھا رہی بلکہ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے صدر انجمن احمدیہ کو اپنے پاس سے زائد روپیہ خرچ کرنا پڑے گا"۔

(الفضل 4 فروری 1949ء)

---

1 : فاطر: 9